ترجمہ نگاری اور پنجابی میں شعری تراجم کی روایت

ثمن زاہد☆

Abstract

There are many nations in the world and each nation uses specific language for interaction and literary endeavors. Since every nation uses its national language so the languages of the world differ with each other. Translation is the only tool to get familiar with other's literary works and thoughts. It is why translation is considered very much important from the time immemorial. Though Punjabi is a very old language hence the tradition of translation from other languages into Punjabi is a story of later centuries. This article sheds light on the tradition of translation in Punjabi language-its beginning and evolution.

ترجمے کے ذریعے نہ صرف اپنے ادب کو دوسرے علوم وفنون سے وسعت دی جاتی ہے بلکہ دوسری قوموں کے تہذیب وتمدن اور ادب سے واقفیت بھی حاصل کی جاتی ہے۔ ترجمہ ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے۔ اسے اگرچہ ایک مشکل فن جانا جاتا ہے مگر ترجمے کے بغیر کسی ادب میں نہ تو دوسرے ادب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ادب میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔

☆ لیکچرار شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین کوٹ خواجہ سعید، لاہور

ترجمے کے فن کو عام طور پر دو صورتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک تو اپنی زبان کے ادب کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا اور دوسرا یہ کہ دوسری زبانوں کے ادب کو اپنی زبان میں منتقل کرنا۔

زمانہ قدیم کے ادب میں ترجمے کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو آج کے دور میں حاصل ہے۔ ابتداء میں ترجمے کی ضرورت محض دینی ابلاغ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے محسوس کی جاتی تھی مگر بتدریج سائنس اور ادب بھی اس کے حصار میں آنے لگے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے باقاعدہ ایک فن کا درجہ حاصل ہو گیا۔

مختلف قوموں کے ادب کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کا آغاز تراجم کے ذریعے ہوا اور انہوں نے دوسری زبانوں کے ادب عالیہ کو اپنی زبان میں ڈھال کر ہی اپنے ادب کا آغاز کیا۔ اس کی نمایاں مثال ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جب مسلمان علم و فضل کے میدان میں بہت آگے تھے اور سائنسی، علمی، ادبی، ثقافتی و تہذیبی لحاظ سے نئی نئی ایجادات کر رہے تھے، اس وقت مغرب کے دانشوروں نے اعلیٰ عربی و عبرانی ادب کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کیا اور اس سے زندگی کے ہر میدان میں استفادہ کر کے ترقی کی منازل طے کیں۔

ترجمے کی تعریف

انگریزی زبان میں ترجمے کے لیے لفظ ''Translation'' استعمال کیا جاتا ہے۔ ترجمے کی اگرچہ کوئی جامع و مانع تعریف اب تک سامنے نہیں آ سکی مگر مختلف لغات میں ماہرین نے اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے۔ مثلاً:

''ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کی ہوئی عبارت، کسی کی زندگی کا مرقع یا خاکہ''۔(۱)

''ایک زبان سے دوسری زبان میں حروف یا الفاظ کا نقل کرنا، نقل حرفی کرنا یعنی ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان کے الفاظ میں لکھنا اور نقل لفظی کرنا یعنی لفظوں کی اصل آواز ظاہر کرنے کے لیے انہیں دوسری زبان کے الفاظ میں لکھنا، دوسرے رسم الخط میں لکھنے کا عمل''۔(۲)

''ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔''(۳)

''ایک زبان سے دوسری زبان میں کی ہوئی عبارت''(۴)

مختلف انگریزی لغات میں بھی تراجم کی تعریف کی گئی ہے۔مثلاً:

"Transference, removal or conveyance from one person, places, or condition to another."(۵)

مختلف لغات میں ترجمے کی تعریف دیکھنے کے بعد ہم مختلف ناقدین کی رائے میں ترجمے کی باقاعدہ تعریفوں کو دیکھتے ہیں مثلاً حاجی احمد فخری کے نزدیک:

''ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے۔ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے۔ان کو اپنے الفاظ ومحاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔''(۶)

معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر نبیل احمد خان کا کہنا ہے:

> ''ترجمہ اصولی طور پر نرگسیت اور خود پسندی کی ضد ہے کیونکہ ترجمہ کسی دوسرے شخص کی تخلیق سے رابطہ قائم کرنے کا نام ہے۔''(۷)

مظفر علی سید کے مضمون ''اردو زبان میں ترجمے کے مسائل''میں تخلیقی ترجمے کی جو تعریف موجود ہے اسے ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:

''تخلیقی ترجمہ اک ایسے اتفاقی حادثے وانگ اے جیہدی پیش بینی نہیں کیتی جاسکدی۔''(۸)

دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں مختلف نوعیت کا ادب تخلیق ہوتا آ رہا ہے اور ہو رہا ہے، اور مستقبل میں بھی اس میں مزید اضافے کے وسیع امکانات ہیں لہذا تراجم کی اہمیت اور ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے تا کہ مختلف زبانوں میں تخلیق ہونے والے عمدہ اور معیاری ادب کو اپنی زبان میں منتقل کر کے نہ صرف لوگوں کو اس ادب سے روشناس کرایا جائے بلکہ دوسری تہذیبوں کے بارے میں آگاہی دی جائے۔

ترجمے کے ذریعے دو زبانوں بلکہ دو تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام بھی لیا جاتا ہے اور ایک

تہذیب و معاشرت اور اس کے افراد کے احساسات و خیالات دوسری طرف منتقل ہوتے ہیں جس سے نہ صرف لوگ استفادہ کرتے ہیں بلکہ ان احساسات کی روشنی میں اپنے لئے نئی راہیں متعین بھی کرتے ہیں۔ جیسے فورٹ ولیم کالج کے تحت کروایا جانے والا تراجم کا کام اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر چہ اس کے پس منظر میں سیاسی عوامل کارفرما تھے لیکن ہندی، سنسکرت اور فارسی زبان و ادب سے ایک کثیر سرمائے کو اردو میں منتقل کیا گیا اور آج اسی پر اُردو ادب کی بنیاد قائم ہے بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان و ادب میں بہت سی چیزیں اطالوی زبان و ادب سے ترجمہ کی گئیں۔

ترجمے کا میدان بہت وسیع ہے اس کے ذریعے نئے نئے امکانات اور اضافے تشکیل پاتے ہیں۔ اس میں فلسفے سے لے کر شعر و ادب جیسی نازک اور دلکش اصناف ادب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اگر چہ پہلے پہل ترجمے کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور اسے محدود اور ثانوی حیثیت سے جانا جاتا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ اسے اہمیت دی جانے لگی اور آج ترجمہ باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کے بغیر زبان و ادب میں وسعت ناممکن نظر آتی ہے۔

ترجمے کی اقسام

بلحاظِ نوعیت ترجمے کی درج ذیل اقسام بیان کی جاتی ہیں:

(۱) لفظی ترجمہ (۲) بامحاورہ ترجمہ (۳) ادبی ترجمہ

لفظی ترجمہ: کسی عبارت یا تحریر کا لفظ بہ لفظ لفظی ترجمہ کہلاتا ہے۔ اگر یہ بات کہ صحیح ترجمہ وہ ہے جو لفظ بہ لفظ کیا جائے اور خود سے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی جائے، مذہبی، فنی یا سائنسی کتابوں کے ترجمے کرتے ہوئے پیشِ نظر رکھی جائے تو یہ سو فیصد درست نظر آتی ہے۔ مذہبی صحیفوں یا قانون کی کتابوں میں خود سے نہ تو کچھ بڑھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کمی کی جا سکتی ہے لہٰذا ایسی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہی کیا جانا چاہیے۔

بامحاورہ ترجمہ: ایسا ترجمہ جو مصنف کی تحریر کے مفہوم کو رواں، عام فہم زبان میں اور بلا تکلف روزمرہ کی زبان میں بیان کرے بامحاورہ ترجمہ کہلاتا ہے۔

با محاورہ ترجمے کے لیے نہ صرف اصل زبان سے واقفیت ہونا لازم ہے بلکہ اس زبان کی تہذیب و معاشرے سے آشنائی ضروری بھی ہے۔

ادبی ترجمہ: ادبی تراجم ان کتابوں یا ادب پاروں کے ہوتے ہیں جن کے لکھنے والے زبان و ادب کے فنکار مانے جاتے ہیں۔ ادبی ترجمہ کرتے ہوئے لفظی تراجم کے برعکس مترجم نسبتاً آزاد ہوتا ہے مگر اس میں بھی نظم و نثر کو دو الگ الگ خانوں میں رکھا جاتا ہے۔

ادبی تراجم میں نہایت احتیاط اور پابندی ضروری ہوتی ہے تاکہ کہیں حقیقی فنکار کی تخلیقی چیز مسخ نہ ہو جائے۔ ظ۔ انصاری اپنے مضمون ''ترجمے کے بنیادی مسائل'' میں کہتے ہیں:

> ''ترجمے میں مترجم پر مصنف کے خیالات کی پابندی فرض ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ و محاورات اور اس کے اسلوب بیان کی تقلید فرض نہیں ہوتی ......تصرف کے بغیر ترجمے میں نہ کبھی کام چلا ہے اور نہ آئندہ چلنے کی اُمید ہے۔ اس بات میں جس قدر آزادی سے کام لیا جائے گا ترجمہ اسی قدر تصنیف سے قریب ہوگا۔''(۹)

لہٰذا ادبی ترجمے میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ کلام یا عبارت کی اصل روح کو محسوس کرنے کے ساتھ تصرفات کر کے تراجم کیے جائیں۔ جیسے اقبال کے کلام کے بہت سے لوگوں نے مختلف انداز میں تراجم کیے۔ بعض نے محض لفظی تراجم کیے ہیں اور بعض کے ہاں اس کے کلام کی روح میں اترنے کا انداز ملتا ہے۔

ہر زبان کا اپنا مزاج، آہنگ اور اسلوب ہوتا ہے لہٰذا بعض جگہ صرف لفظی تراجم پر ہی اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔

ان تینوں اقسام کے علاوہ تراجم کی کچھ ذیلی اقسام بھی ہیں جن میں سے ایک اہم صحافتی ترجمہ ہے جو کہ دوسرے تراجم کی نسبت آسان ہوتا ہے۔

ترجمے کے عمومی تقاضے

جب انسان کوئی کام کسی خاص مقصد کے لیے کرتا ہے تو اس مقصد کو بہتر طور پر پورا کرنے

کے لیے کچھ تقاضے بھی پورے کرتا ہے اگر ان تقاضوں کو بطریقِ احسن نبھایا جائے اور ان کا مکمل خیال رکھا جائے تو وہ مقصد یا کام بہتر طور پر سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ترجمے کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا مترجم پر فرض ہوتا ہے۔ یہ تقاضے یا اصول اگر پیشِ نظر رکھے جائیں تو نہ صرف ترجمہ کرنے میں آسانی پیدا ہوسکتی ہے بلکہ ان کے ذریعے ایک عمدہ اور بہتر ترجمہ سامنے آسکتا ہے۔

ترجمے کے یہ تقاضے ہر زبان کے ادب کے لیے بہت اہم ہیں۔ اگر ہم ترجمے کے عمومی تقاضوں کا جائزہ لیں تو چند ایک بالخصوص سامنے آتے ہیں۔

۔ ترجمہ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے اس متعلقہ موضوع یا مضمون سے شغف ہو مثلاً کوئی ادیب یا شاعر فلسفے کی کتاب کا بہتر ترجمہ نہیں کرسکتا۔

۔مترجم کے لیے لازمی ہے کہ وہ دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو یعنی جس میں ترجمہ کررہا ہے اور جس سے ترجمہ کیا جارہا ہو۔

۔ زبانوں سے واقفیت کے ساتھ مترجم پر لازم ہے کہ وہ ان زبانوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور اچھا انشا پرداز بھی ہو۔

ترجمہ کے ان عمومی تقاضوں کے علاوہ کچھ اور تقاضے بھی ہیں جن کی تقسیم ہم صنف کے اعتبار سے دو حصوں میں کرسکتے ہیں مثلاً

(۱) نثری ترجمے کے تقاضے

(۲) شعری ترجمے کے تقاضے

نثری ترجمے کے تقاضے

کسی نثر پارے کا ترجمہ کرتے ہوئے جو تقاضے پیشِ نظر ہونے چاہئیں وہ درج ذیل ہیں:

i- نثری ترجمہ کرتے ہوئے ترجمہ کے لیے منتخب کی گئی تحریر کا معیاری ہونا اولیت رکھتا ہے۔ اگر تحریر معیاری نہ ہوگی تو ترجمہ بھی معیاری نہ ہوگا۔

ii- تحریر میں موجود تمام ایسے الفاظ کے مترادفات لانے کی بھی کوشش کرنی چاہیے جن کے مترادفات پہلے سے موجود نہ ہوں کیونکہ زبان کو وسعت اور ترقی دینے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان مختلف الفاظ کے مترادفات تلاش کیے جائیں جو کہ زیادہ مانوس نہ ہوں۔

iii- نثری تراجم کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی جملہ بہت زیادہ لمبا ہو کہ اس کے ترجمے میں الجھاؤ آتا ہو اور مطالب واضح نہ ہوتے ہوں تو اس جملے کو چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ لیا جائے۔اس کے ساتھ ربطِ الفاظ اور ربطِ تحریر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

iv- ترجمے کے دوران زبان صاف اور تحریر واضح اور سادہ ہونی چاہیے تا کہ پڑھنے والا روانی کے ساتھ اس کو پڑھ کر سمجھ سکے اور اس پر مطلب واضح ہو سکے۔پیچیدہ تحریروں کو بھی عام فہم انداز میں منتقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

v- ترجمے میں الفاظ ہمیشہ مانوس استعمال کرنے چاہئیں تا کہ تحریر قابلِ مطالعہ ہو سکے نیز جملوں کی ساخت عمدہ ہونی چاہیے۔

vi- نثری ترجمہ کرتے ہوئے ایک اور بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس میں توازن قائم رہے اور ہر قسم کے تعصب سے بچنے کی کوشش کی جائے تب ہی ترجمے میں اصل کی روح سما سکے گی۔

vii- اگر کسی علمی کتاب کا ترجمہ کرنا مقصود ہے تو مترجم پر فرض ہے کہ پہلے اس کا بغور مطالعہ کر کے اصطلاحات کو نشان زد کرے اور پھر ان کی فہرست تیار کر لے، اس کے بعد موزوں ترجمہ تجویز کر کے ہر جگہ وہی استعمال کرے اس سے ترجمے میں بے ساختگی اور باقاعدگی آتی ہے۔

شعری تراجم کے تقاضے

نثری تراجم کی نسبت شعری تراجم زیادہ محنت طلب ہیں کیونکہ شاعری میں اظہار خیال احساس کے ذریعے ہوتا ہے لہٰذا شعری ترجمہ نہایت باریک بینی کا کام ہے اور اس کے ساتھ ساتھ محنت طلب بھی۔اس دشوار کام کو سرانجام دینے کے لیے چند اضافی اصولوں اور تقاضوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے جن کے بغیر یہ دشوار کام مزید دشوار ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور پر:

i- شعر کا ترجمہ صرف شاعر ہی کر سکتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل خیالات کو اپنے احساسات سے گزارے یعنی وہ دوسروں کے احساسات کو اپنے اوپر طاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ii- شعری تراجم اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ مترجم الفاظ کے عمدہ انتخاب پر بھی دسترس رکھتا ہو اور اس میں مناسب ذوقِ شعری ہو اور ضرورت پڑنے پر نئے الفاظ سے نئی نئی بندشیں بنا سکے اور ترجمے کے ذریعے اپنی زبان میں الفاظ اور فکر کے نئے نئے امکانات سامنے لا سکے۔

iii- مترجم ترجمہ کرتے ہوئے اصل مصنف کے صرف خیالات کا پابند ہوتا ہے، الفاظ اور انداز اپنا اختیار کرتا ہے لہذا الفاظ سادہ اور عام فہم استعمال ہونے چاہئیں تا کہ قاری کو دشواری نہ ہو سکے۔

iv- شعری ترجمہ کرتے ہوئے متعلقہ شعر یا شاعر کا عہد اور اس کی تہذیب و معاشرت سے واقفیت بھی بہتر ترجمے کا تقاضا ہے۔

v- ڈکشنری ایک طرح سے مترجم کا ہتھیار ہے لہذا اس سے استفادہ کرنا بھی مترجم پر فرض ہے تا کہ اس سے موزوں اور عمدہ الفاظ ڈھونڈ کر ترجمے کو رواں اور بہتر بنایا جا سکے۔

vi- مترجم کے لیے لازمی ہے کہ وہ وسیع المطالعہ ہو اس کا ترجمہ پڑھتے ہوئے تازگی کا احساس ہو نہ کہ الجھاؤ کا، اور شعر میں دِقت محسوس نہ ہو۔

vii- ترجمے میں اصل تخلیق کی روح موجود ہو اور اس کے اردگرد کا تہذیبی ماحول بھی۔

viii- شعری تراجم میں ایک بات جو اسے نثری تراجم سے بلند کرتی ہے وہ رموز و اوقاف کا خیال اور قوانی و ردائف وغیرہ کا اہتمام ہے۔ یہ اگر چہ مشکل کام ہے اور اس کے لیے صاحب علم وہنر ہونا لازمی ہے تا کہ شاعر بہتر ردیف، قافیوں کا استعمال کر سکے جس سے شعر میں روانی اور تازگی آ سکے۔

ix- جس طرح شاعری کے منظوم تراجم میں قافیہ و ردیف کے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اوزان و بحور کا التزام بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مترجم کو علمِ عروض پر بھی عبور ہونا چاہیے بصورتِ دیگر وہ منظوم ترجمہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اوزان و

بحور اور قوافی و ردائف کی جکڑ بندیوں میں رہتے ہوئے ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اس سے اس بات کا پورا امکان ہوتا ہے کہ اصل شاعری کی روح مترجم کے ہاتھ نہ آ سکے گی۔ گویا منظوم ترجمہ کرنے والے کے لیے یہ ایک کڑا امتحان ہوتا ہے۔

x- ترجمہ کرتے ہوئے ایک بات ضرور پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اس میں اصل کی روح مسخ نہ ہونے پائے اور جدت کے ساتھ مصنف کے خیالات سے مکمل ہم آہنگی ہو۔

xi- شعری ترجمے کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والا اپنے وجود، اپنے خیال، جذبے اور قلم کو اصل مصنف کے سپرد کر دے یعنی اس کے تابع ہو کر اور اس کی سوچ کے مطابق کام کرے۔

بحیثیت مجموعی یہ وہ تقاضے ہیں جو شعر یا نثر پارے دونوں کا ترجمہ کرتے ہوئے پیشِ نظر رہنے چاہئیں اور ان کو سامنے رکھ کر ہی ایک اچھا مترجم اپنی عمدہ کاوش کو سامنے لا سکتا ہے اور بہترین ترجمہ نگار کی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان تمام تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ہی ترجمہ نگاری میں سہولت پیدا کی جا سکتی ہے۔

پنجابی میں ترجمے کی روایت کا آغاز وارتقاء

اپنے ادب کو وسعت دینے اور دوسری زبانوں کے ادب کے بارے میں جاننے کے لیے تراجم کو ہر دور میں ناگزیر سمجھا گیا ہے۔ اس کی اگرچہ ضرورت ہر دور میں محسوس کی جاتی رہی ہے مگر آج کے سائنسی دور میں اس کی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

تراجم کے ذریعے ہم دوسری زبان و ادب کے تخلیق کاروں کے انداز فکر کے رازوں پر سے پردہ اُٹھا سکتے ہیں۔ آغاز میں تراجم کا رواج مذہبی ضرورتوں کے تحت ہوا مگر آہستہ آہستہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور آج یہ باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیونکہ اپنی زبان و ادب میں منتقل کیے بغیر کسی دوسری زبان و ادب کو سمجھنا ممکن نہیں۔

جب کوئی زبان اپنے آغاز یا ارتقائی مراحل میں ہوتی ہے تو وہ دوسری زبانوں کے اعلیٰ ادب سے استفادہ کرتی ہے مگر جب یہ ارتقاپذیر ہو جاتی ہے تو پھر اس کے ادب کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا

جا تا ہے لہٰذا اسی تناظر میں اگر ہم پنجابی زبان و ادب کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آ غاز میں پنجابی نے اپنے دامن کو پھیلانے کے لیے دیگر زبانوں کے ادب سے استفادہ کیا اور تراجم کے ذریعے اعلیٰ علوم وفنون کو خود میں سمو کر ترقی کی منازل طے کیں ۔تراجم کا یہ سلسلہ بہت قدیم ہے۔ آ غاز میں زیادہ تر قرآن پاک ، احادیث مبارکہ ، آثار صحابہؓ ، اقوالِ بزرگانِ دین اور فقہی مسائل کے تراجم ہیں لہٰذا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آ غاز تراجم مذہبی ضرورتوں کے تحت ہوا اور منظوم تراجم کا با قاعدہ آ غاز بھی اسلامی تراجم کے حوالے سے ہوا۔

نثری پہلو کا اگر سرسری جائزہ لیا جائے تو پنجابی میں ترجمہ ہونے والی سب سے پہلی کتاب ''مسیحی مسافری یاترا'' ہے جو کہ جان بنین کے سفر نامے (جسے بعض لوگوں نے ناول بھی کہا) ''Pilgrims progrers'' کا ترجمہ ہے یہ ترجمہ 1844ء(۱۰) میں شائع ہوا لہٰذا اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ پنجابی میں نثری تراجم کی روایت 1844ء میں شروع ہوئی۔اس کے بعد 1899ء کے قریب ڈاکٹر چرن سنگھ نے سنسکرت کے ایک ڈرامے ''شکنتلا'' کو پنجابی میں ترجمہ کیا اور ڈرامے کی روایت کو پنجابی ادب میں متعارف کروایا۔پھر نارائن سنگھ نے ''لال بادشاہ'' کے نام سے ایک انگریزی ڈرامے ''کنگ لیر'' کا ترجمہ کیا۔اس کے بعد یہ سلسلہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا اور آج تک جاری و ساری ہے اور ایک مضبوط روایت نثری تراجم کی صورت میں سامنے آ چکی ہے۔

شاعری چونکہ ہر دور کے ادب کی تشکیل میں نمایاں ترین کردار ادا کرتی ہے اور شعری تراجم کے ذریعے دوسری زبانوں کے شعرا کے تخیلات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور انہیں اپنی زبان میں بیان کیا جاتا ہے۔لہٰذا اسی ضمن میں پنجابی میں شعری تراجم کی روایت کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پنجابی شعرا نے آ غاز میں براہ راست عربی اور فارسی سے تراجم کیے ہیں اور مذہبی حوالے سے پنجابی شعری تراجم کی روایت کا آ غاز ہوتا ہے۔

عربی مسلمانوں کے لیے دینی و مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ہماری مذہبی تعلیمات اسی زبان میں قرآن پاک کی صورت میں ہم تک پہنچی ہیں۔اس زبان کے اثرات جہاں دوسری زبانوں پر

ہوئے وہاں پنجابی بھی اس سے بہت متاثر ہوئی۔ اگر عربی کی روایت کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے مغل بادشاہ اکبراعظم کے دور کے شاعر مولانا عبداللہ عبدی نے 1586ء میں منظوم ترجمہ ''نماز'' کیا۔(۱۱) اس کے علاوہ اسی سال میں انہوں نے بہت سی دوسری تصانیف بھی ترجمہ کیں جن میں رسالہ ''مہتدی'' شامل ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے 1587ء میں منظوم ترجمہ ''چہل حدیث'' کیا۔ اس کے بعد ''حافظ برخوردار'' نے جو پنجابی کے مشہور و معروف شاعر ہیں ''سورۃ یوسف'' کا ترجمہ 1659ء/1070ھ میں کیا۔(۱۲)

پنجابی زبان کے تراجم کی روایت کے آغاز میں ایک نمایاں اور معتبر حصہ ''قصیدہ بردہ شریف'' کے منظوم تراجم کا ہے۔ اس کے مصنف امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیریؒ تھے۔ سب سے پہلے اس قصیدے کا منظوم پنجابی ترجمہ ''حافظ برخوردار رانجھا'' نے 1659ء میں کیا۔(۱۳)

اس کے بعد سید وارث شاہ نے جنہیں پنجابی کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے اس قصیدے کا منظوم ترجمہ 1739ء میں کیا۔ اس طرح یہ روایت آگے بڑھتی گئی اور بہت سے مترجمین نے اسے پنجابی قالب میں ڈھالا، جن میں یار محمد علی نے 1815ء میں، جان محمد نے 1853ء، محمد شاہ دین نے 1915ء اور محمد عزیز الدین نے 1884ء میں اس قصیدے کے تراجم کیے۔ اس کے علاوہ اس قصیدے کے تراجم مولوی محمد اسماعیل فاضل اور خواجہ غلام مرتضیٰ قصوری نے بھی کیے چونکہ قصائد کی یہ روایت بہت اہم اور مستحکم ہے لہٰذا ''قصیدہ بردہ شریف'' کے علاوہ ''قصیدہ مصریہ'' کا منظوم ترجمہ بہت سے شعراء نے کیا۔ اس کے علاوہ قصیدہ غوثیہ کا منظوم ترجمہ حافظ برخوردار نے 1650ء میں کیا۔ ان قصائد کے بہت سے منظوم تراجم پنجابی شعراء نے کر کے پنجابی زبان کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کیا ہے۔

''قصیدہ روحی'' کا ترجمہ حافظ محمد زمان نے 1792ء میں کیا۔(۱۴) اس کے علاوہ ''قصیدہ بہشتی'' کا ترجمہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ عربی کے وہ شاہکار قصائد ہیں جن کے ذریعے پنجابی میں تراجم کی روایت کو شعری صورت میں شروع کیا گیا۔ لہٰذا یہ عربی زبان ہی ہے جس کے ذریعے پنجابی میں تراجم کی مستحکم روایت کو فروغ ہوا۔ قصائد کے علاوہ عربی زبان میں موجود مختلف نعتوں کے منظوم تراجم کی روایت بھی ملتی ہے۔

قصیدے کی روایت کے بعد سب سے زیادہ منظوم تراجم قرآن پاک کے کیے گئے ہیں۔کچھ لوگوں نے قرآن پاک کی محض چند سورتوں یا دعاؤں وغیرہ کے تراجم کیے ہیں جن میں اہم نام ''حافظ برخوردار'' کا ہے۔جنھوں سب سے پہلے 1649ء میں ایک ''دعائے سریانی'' کا ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ بہت سے ایسے نام سامنے آتے ہیں۔جنھوں نے قرآنی آیات اور سورتوں کے منظوم تراجم کیے ہیں۔مثلاً محمد بخش، معظم دین، قادر بخش، خواجہ غلام محی الدین قادری وغیرہ۔

چند مترجمین نے مکمل قرآن پاک کو ترجمے کی صورت میں پیش کیا ہے ان میں ایک نمایاں نام مولانا فیروز الدین کا ہے جنھوں نے 1911ء میں منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔اس کے بعد مولانا نور الدین نے 1930ء میں قرآن پاک کا مکمل پنجابی ترجمہ کیا۔(۱۵)

جب پنجابی تراجم کی یہی روایت ذرا آگے بڑھی تو اس میں وسعت پیدا ہوئی اور لوگوں نے قرآن کی تفسیر کے تراجم کرنے شروع کیے۔مولانا نبی بخش حلوائی کا نام اس سلسلے میں اولین حیثیت کا حامل ہے انہوں نے 1932ء میں ترجمہ قرآن کریم و تفسیر لکھی۔اس کے علاوہ حافظ محمد لکھوی نے 1868ء میں قرآن کی تفسیر کا منظوم ترجمہ کیا۔(۱۶)

تفاسیر کے علاوہ ''بخاری شریف'' اور ''مسلم شریف'' کے منظوم تراجم بہت سے شعرا نے کیے۔اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے دیوان کا منظوم پنجابی ترجمہ مولوی محمد شاہ دین نے 1944ء میں کیا(۱۷) اس طرح عربی میں موجود اسلامی تعلیمات کو شعری قالب میں ڈھال کر لوگوں کی تفہیم کے لیے کوششیں کی گئیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ جدید دور کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اس میدان میں وسعت آتی گئی اور مختلف زبانوں کے ادب پاروں کے منظوم پنجابی تراجم سامنے آنے لگے۔

شعری تراجم کی ذیل میں عموماً منظوم تراجم ہی ہوتے ہیں تاہم اس کے علاوہ ایک قسم شاعری کے نثری تراجم کی صورت میں بھی سامنے آتی ہے۔شاعری کا نثری ترجمہ نسبتاً آسان ہوتا ہے کیونکہ اس میں نہ تو قافیے، ردیف کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی اوزان و بحور کی حد بندی۔مگر اس کے باوجود یہ نہایت احتیاط اور ذمہ داری کا متقاضی ہوتا ہے اور اپنی جگہ اہمیت کا حامل بھی ہوتا ہے۔

مختلف زبانوں کی طرح پنجابی میں بھی مترجمین نے شعرا کے کلام کے نثری تراجم کیے ہیں مگر یہ روایت بہت کم ملتی ہے۔ زیادہ تر منظوم تراجم کی طرف توجہ دی گئی ہے اور شاعری کے نثری تراجم پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ چند ایک مثالوں کے سوا کوئی مربوط روایت نہیں ملتی، مثلاً

''مسدس حالی'' کا جو ترجمہ سر شہاب الدین نے کیا ہے اس کو نثری ترجمے کی صورت میں چوہدری محمد افضل خان نے ڈھالا ہے۔(۱۸) ''شلوک فرید'' کا پنجابی نثر میں ترجمہ مع شرح بھی چودھری محمد افضل خاں نے کیا۔ علاوہ ازیں سپین کے ایک شاعر گارشیالوکار کی نظموں کا نثری ترجمہ 1960ء میں جے ایل گل (J.L.Gil) نے کیا ان میں سے چند نظموں کا پنجابی نثری ترجمہ شفقت تنویر مرزا نے ''لہو سہاب'' کے نام سے کیا۔ زیادہ مثالیں نہ ہونے کے باعث شاعری کے نثری تراجم کی روایت کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔

پنجابی میں شعری منظوم تراجم کی روایت پر نثری تراجم کے برعکس اگر نظر ڈالی جائے تو یہاں ہمیں خاصی وسعت نظر آتی ہے اور بہت مضبوط اور مستحکم و باقاعدہ روایت ملتی ہے جو کہ پنجابی ادب کو ترقی دینے میں نمایاں طور پر حصہ دار ہے۔ اس ضمن میں بہت سی دوسری زبانوں سے شعری کلام کے منظوم پنجابی تراجم ہوئے ہیں۔ خصوصاً عربی، فارسی اور اردو شعرا کے کلام کے تراجم بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی اور چینی زبان کے بھی پنجابی میں منظوم تراجم ہوئے ہیں اور یہ روایت آغاز ہی سے چلی آ رہی ہے۔

منظوم ترجمہ اگرچہ نسبتاً مشکل اور دقت طلب کام ہے کیونکہ اس میں اوزان و بحور اور ردیف و قافیہ کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ پنجابی میں دوسری زبانوں کی نسبت سب سے زیادہ فارسی زبان سے ترجمے کیے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی میں مسلمانوں کی زبان فارسی ہی تھی لہٰذا براہ راست فارسی کا بہت زیادہ عمل دخل ہمیں پنجابی میں نظر آتا ہے۔ پنجابی میں ترجمہ ہونے والے سب سے زیادہ فارسی شاعر عمر خیامؒ، شیخ سعدیؒ اور حافظ شیرازیؒ ہیں۔

پیر فضل گجراتی نے سعدی کے کلام کے بہت سے حصوں کو نہایت عمدگی کے ساتھ پنجابی میں

منتقل کیا ہے۔ان تراجم میں پنجابی لب ولہجہ اور مزاج بھی پوری طرح جھلکتا ہے۔''گلستانِ سعدی'' کا مکمل منظوم پنجابی ترجمہ غلام مصطفیٰ نوشاہی نے 1961ء میں کیا۔

دائم اقبال دائم نے بھی سعدی کے کلام کا پنجابی ترجمہ کیا ہے۔انہوں نے ان کے مکمل کلام کا ترجمہ ''پنجابی گلستان'' کے نام سے کیا ہے۔اس میں نثر کا ترجمہ نثر میں اور شعر کا ترجمہ شعر میں کیا گیا ہے۔

عبدالغفور اظہر کا ''گلستان سعدی'' کے پہلے باب کا ترجمہ ماہنامہ ''لہراں'' میں 1974ء میں شائع ہوا۔پھر نور احمد سیال نے سرائیکی میں ''کریما'' کا منظوم ترجمہ کیا۔

عمر خیام کی رباعیات جو فارسی زبان وادب میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، کا ترجمہ بھی پنجابی شعرا نے نہایت جانفشانی سے کیا ہے۔مثلاً عبدالعزیز نشتر نے ''شاہکار'' اور ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ''مئے گلفام'' کے عنوان سے رباعیات خیام کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔(۱۹) اس کے علاوہ سردار اوتار سنگھ نے بھی 1946ء میں ''خیام خماری'' کے عنوان سے رباعیات کا ترجمہ کیا ہے۔

حافظ شیرازی فارسی کے نابغۂ روزگار شاعر ہیں ان کے کلام ''دیوان حافظ'' کے منظوم پنجابی تراجم متعدد شعراء نے کیے ہیں۔اس دیوان کے مترجمین میں ایک معتبر نام ماسٹر غلام حیدر کا ہے جنہوں نے 1884ء میں ''دیوان حافظ'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ ایک اور نام مولوی شیخ محمد دلپذیر کا ہے۔جنھوں نے 1885ء میں نہایت محنت کے ساتھ ''دیوان حافظ'' کا ترجمہ کیا۔(۲۰)
محمد حسین احمد آبادی نے 1890ء میں مکمل ''دیوان حافظ'' کو پنجابی زبان میں منتقل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں نے ''دیوان حافظ'' کے کچھ منتخب حصوں کے تراجم بھی کیے ہیں۔

حضرت بوعلی قلندرؒ کی مثنویات پر مشتمل کتاب ''کلام قلندر'' ہے اس کا منظوم پنجابی ترجمہ شاہ دین قادری نے 1947ء میں کیا۔اس کے بعد دائم اقبال دائم نے 1975ء میں ''مخزن قلندری'' کے نام سے بوعلی شاہ قلندر کے کلام کو ترجمہ کی صورت میں ڈھالا ہے۔(۲۱) محمد شاہ دین نے بوعلی قلندرؒ کی ایک فارسی مثنوی کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا ہے۔

حضرت فریدالدین عطار کی مثنویات کا ترجمہ محمد شاہ دین نے 1958ء میں کیا جو بلاشبہ

شاہکار ترجمہ ہے۔اس کے علاوہ ان کی دو ایک مثنویات کے پنجابی مترجم فضل الستار بھی ہیں۔ محمد شاہ دین نے ان کی مثنوی ''بیسر نامہ'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔(۲۲) فارسی کے مشہور ''دیوان حیدری'' کا پنجابی ترجمہ ''گلزار صفدری'' کے نام سے مولوی نور عالم نے کیا۔

حضرت سلطان باہوؒ اگرچہ پنجابی زبان کے مایہ ناز شاعر ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کا فارسی کلام بھی اپنی مثال آپ ہے۔ان کے فارسی کلام کا بھی منظوم پنجابی ترجمہ 1914ء میں سامنے آیا جس کے مترجم شاہ دین قادری ہیں۔

علامہ اقبال کی حیثیت اردو و فارسی دونوں زبانوں کے معتبر شعرا میں نمایاں ہے۔ان کے فارسی کلام میں فکری وفنی تمام خوبیاں نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔لہذا بہت سے پنجابی مترجمین نے اسے پنجابی میں منتقل کیا ہے۔مثلاً عبدالغفور اظہر نے ''ارمغان حجاز'' کا پنجابی ترجمہ کیا ہے اس کے علاوہ ''جاوید نامہ'' کا ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے کیا۔علاوہ بریں خلیل آتش نے ''مثنوی پس چہ باید کرد'' کے علاوہ اقبالؒ کی متعدد نظموں کو پنجابی روپ دیا تو اسیر عابد نے ''بال جبریل'' کا پنجابی ترجمہ ''جبریل اُڈاری'' کے نام سے کیا۔

شریف کنجاہی پنجابی کے مانے ہوئے لکھاری اور شاعر ہیں انہوں نے بھی ''جاوید نامہ'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا ہے۔(۲۳)

اس طرح فارسی زبان کے اور بھی بہت سے شاہکاروں کو پنجابی لباس پہنا کر اس کی روایت کو مستحکم کیا گیا ہے۔یہ کام موجودہ دور میں بھی جاری وساری ہے اور جدید شعرا کے کلام کے تراجم بھی منظر عام پر آرہے ہیں۔

عربی وفارسی کے علاوہ چینی زبان سے بھی چند ایک ترجمے، ترجمہ نگاروں نے کیے ہیں۔کسی غیر زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنا بہت دشوار کام ہے مگر اس کے باوجود مترجمین نے اس فریضہ کو نبھانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے لہذا اسی بناپر اس کی چند ایک عمدہ مثالیں ملتی ہیں مثلاً عظیم لیڈر ''ماؤزے تنگ'' جو چینی زبان کا اہم شاعر بھی ہے، اس کی چند نظموں کا منظوم ترجمہ مسعود انور نے 1977ء میں کیا۔

ایس ایم اختر نے اپنی کتاب ''افریشیائی نظماں'' میں افریقہ اور ایشیا کے انقلابی شاعروں کے کلام کے پنجابی تراجم پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ افضل احسن نے ''کالا پینڈا'' کے نام سے 1988ء میں ایک سو ایک افریقی نظموں کو پنجابی لباس پہنایا ہے۔ اسی طرح صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے بھی انگریزی شعراء کے منتخب کلام کو پنجابی روپ دیا ہے۔(۲۴) یہ روایت اگرچہ زیادہ زوردار نہیں مگر اہمیت کے اعتبار سے کسی طور بھی کم نہیں ہے۔ اس مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پنجابی میں تراجم کی روایت بہت پرانی ہے اور عربی و فارسی کے علاوہ چینی اور انگریزی وغیرہ سے بھی ادب پارے پنجابی میں منتقل کیے گئے ہیں اور شاعری کے منظوم تراجم کی طرف خاصی کاوش اور توجہ کی گئی ہے جس کی بدولت ہمیں پنجابی میں دیگر زبانوں کے منظوم تراجم کی ایک مضبوط اور عمدہ روایت نظر آتی ہے۔

پنجابی زبان نے جہاں دوسری زبانوں کے اثرات قبول کیے وہاں وہ قومی زبان یعنی اُردو کے اثر سے کیسے خالی رہ سکتی تھی لہٰذا دوسری تمام زبانوں کے علاوہ اردو زبان کی شاہکار تخلیقات کے تراجم کے ذریعے بھی پنجابی نے خود کو مزین کیا ہے۔ اردو کی کلاسیکی دور کی کتابوں سے لے کر موجودہ دور کی جدید تصانیف تک کا بڑی عمدگی اور جانفشانی کے ساتھ ترجمہ کیا جارہا ہے۔

جب ہم اردو زبان سے کیے گئے منظوم پنجابی تراجم کا تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت عہد قدیم ہی سے چلی آرہی ہے۔ مثلاً اردو نثر کی پہلی کتاب ''باغ و بہار'' کا پنجابی ترجمہ عبدالواحد مفتی نے 1912ء میں کیا۔(۲۵)

شعری تراجم کی روایت پر اگر غور کیا جائے تو اردو کے تقریباً تمام بڑے بڑے شعرا کے کلام کے پنجابی تراجم منظوم صورت میں ہو چکے ہیں۔ مثلاً اقبال ہمارے دور کے ایسے شاعر ہیں جو نہ صرف عظیم مفکر و شاعر ہیں بلکہ ان کا کلام سرمایۂ اردو ہے اور جن کے ذکر کے بغیر اردو شاعری کی تاریخ ادھوری ہے۔ جہاں ان کے کلام کے تقریباً دنیا کی ہر زبان میں تراجم کیے گئے وہاں پنجابی میں بھی اس سلسلے کی بڑی مضبوط کڑی ملتی ہے۔ اقبال پنجابی میں سب سے زیادہ ترجمہ ہونے والے اردو شاعر ہیں۔ ان کی مختلف کتابوں اور مجموعہ ہائے کلام کے مختلف لوگوں نے منظوم تراجم کیے ہیں۔ مثال کے طور

پر ''بال جبریل'' کا مکمل منظوم پنجابی ترجمہ نسیم لیہ نے 1975ء میں کیا۔ان کے ترجمے میں سرائیکی رنگ واضح طور پر جھلکتا ہے۔

بہت سے مترجمین نے کلامِ اقبال کے کچھ منتخب حصوں یا نظموں کے بھی پنجابی تراجم کیے ہیں۔مثلاً خلیل آتش قصوری نے 1977ء میں ''اقبال دیاں لمیاں نظماں'' کے نام سے کتاب میں مختلف مشہور اور طویل نظموں کے منظوم تراجم کیے۔اس کے علاوہ انہوں نے ''اسرار خودی'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا ہے۔اختر حسین شیخ نے ''اقبال دا لشکارا'' نامی کتاب میں علامہ کی کئی غزلوں اور نظموں کے ترجمے شامل کیے ہیں۔(۲۶)

''شکوہ''، ''جواب شکوہ'' اقبال کے کلام میں نہایت معتبر اور نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔اس نظم کے تراجم بہت سے لوگوں نے کیے ہیں۔اس کا مکمل ترجمہ فضل داد شاد نے 1938ء میں کیا۔

رحمت علی رحمت نے 1960ء میں نظم ''شکوہ'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس نظم کو منظوم پنجابی صورت دی ان میں فضل احمد فاروقی، ماسٹر کاظم علی اور عبدالمجید خان کے نام شامل ہیں۔

''طلوع اسلام'' اقبال کی یادگار نظم ہے اس کا منظوم ترجمہ بشیر حسین ناظم نے 1980ء میں کیا۔

صوفی غلام مصطفی تبسم اردو اور پنجابی کے معروف شاعر ہیں انہوں نے علامہ کے اشعار کے پنجابی تراجم ''علامہ کے منتخب اشعار'' نامی کتاب میں نہایت عمدگی اور مہارت کے ساتھ کیے ہیں۔

علامہ کی کتاب ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' کا ترجمہ بھی مختلف شعرا نے کیا۔ان میں اہم نام سید منظور حیدر کا ہے جنہوں نے اس کتاب کا ترجمہ 1984ء میں کیا۔(۲۷)

علامہ اقبال کے علاوہ الطاف حسین حالی اردو ادب کی بڑی معتبر شخصیت ہیں۔ان کی نظم ''مسدس حالی'' کو اردو ادب کا سرمایہ کہا جاتا ہے۔اس مسدس کو بھی بہت سے مترجمین نے پنجابی میں ڈھالا ہے۔سر شہاب الدین نے نہایت نفیس انداز میں اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔اس کے علاوہ مسدس کا ترجمہ ''تصویرِ اُمت'' کے نام سے حکیم عبداللطیف عارف نے بھی کیا ہے۔(۲۸)

حالی اور اقبال کے علاوہ جس شاعر کے منظوم پنجابی تراجم بہت زیادہ تعداد میں کیے گئے وہ مرزا اسد اللہ غالب ہیں۔ غالب کے کلام کے کچھ مترجمین نے منتخب حصوں کے تراجم کیے ہیں اور کچھ نے مکمل ''دیوانِ غالب'' کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جس سے غالب کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اسیر عابد نے مکمل ''دیوان غالب'' کا منظوم پنجابی ترجمہ بہت منفرد اور دلکش انداز میں کیا ہے اور اسے ہم غالب کے کلام کا موزوں ترین ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔

صوفی تبسم نے بھی چند غزلیات غالب کو پنجابی روپ میں ڈھالا ہے۔ دلشاد کلانچوی نے پنجابی (سرائیکی) زبان میں غالب کی بہت سی غزلیات کو منتقل کیا ہے اور انہیں نہایت میٹھا اور شیریں رنگ دیا ہے۔ اس کے علاوہ افضال احمد انور نے غالب کی چند منتخب نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔

ان تمام تراجم کے علاوہ کچھ مترجمین ایسے بھی ہیں جن کا کام ابھی اشاعت کے مراحل سے نہیں گزرا تاہم ان غیر مطبوعہ تراجمِ کلام غالب کی تعداد میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

اقبال، حالی اور غالب کے علاوہ بھی بہت سے ایسے کلاسیکی اور جدید شعرا ہیں جو کہ آج پنجابی میں منتقل ہو کر اس زبان کی زینت بن چکے ہیں۔ ان تمام شعرا کے تراجم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پنجابی تراجم کی روایت میں اردو زبان و ادب کے نثر پاروں کے علاوہ شعر پاروں کا بہت عمل دخل ہے یہ روایت آغاز سے چلی آ رہی ہے اور جدید شعرا کے تراجم کی صورت میں رواں دواں ہے۔

الغرض پنجابی تراجم کی اس تمام روایت کا مختصراً جائزہ لینے کے بعد ہم پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ پنجابی میں شعری تراجم کے آغاز کا زمانہ بہت قدیم ہے۔ اس کا آغاز اگرچہ مذہبی ضرورتوں کے تحت ہوا اور سب سے پہلے ''قصیدہ بردہ شریف'' ترجمہ کیا گیا۔ اس کے بعد قرآن پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کو منظوم کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ جدید تقاضوں کی روشنی میں دوسری زبانوں کے شعرا کے کلام کو بھی منظوم پنجابی صورت میں ڈھالنا شروع کیا گیا۔ جہاں عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے تراجم ہوئے وہاں اردو زبان بھی اس عمل میں پیش پیش رہی اور کلاسیکل اردو شعرا کو پنجابی زبان میں منتقل کر کے اس روایت کو اور مستحکم کیا گیا۔ شاعری کے نثری تراجم اگرچہ کم ہیں مگر منظوم تراجم کی روایت نہایت معتبر اور سلسلہ در سلسلہ ہے۔

مجموعی طور پر سب سے زیادہ حصہ پنجابی میں فارسی شعرا کے تراجم کا ہے۔ اس کے بعد اردو شعرا کے کلام کو پنجابی میں بہت زیادہ ڈھالا گیا ہے۔ یہ روایت موجودہ دور میں بھی جاری ہے اور جدید شعرا کے کلام کو پنجابی میں منظوم ترجمہ کر کے پنجابی زبان کی ترقی و ترویج کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کے ساتھ اس کے روابط کو بھی مضبوط بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) علمی اردو لغت، وارث سرہندی، لاہور: علمی کتاب خانہ، ص444

(۲) قومی انگریزی اردو لغت، جمیل جالبی، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، ص2126

(۳) مختصر اردو لغت، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص250

(۴) فرہنگ آصفیہ، جلد اول، احمد دہلوی، سید، لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ص601

5- The Oxford English dictionary: Vol. xi

(۶) دور تراجم، ترجمہ روایت اور فن: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1985ء، ص39

(۷) ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن: ترجمہ روایت اور فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1985ء، ص68

(۸) انعام الحق جاوید، ڈاکٹر: پنجابی ادب دا ارتقاء، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، 1990ء، ص528

(۹) ایضاً: ص25-524

(۱۰) بحوالہ گورچرن سنگھ عرشی، ڈاکٹر: پنجابی بھاشا تے ساہت نوں مشنریاں دی دین، مطبوعہ ''کھوج'' 15/16، ص130

(۱۱) انعام الحق جاوید ڈاکٹر: پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان 1997ء، ص424

(۱۲) ایضاً: ص424 (۱۳) ایضاً (۱۴) ایضاً، ص427-426

(۱۵) انعام الحق جاوید ڈاکٹر: ''پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان 1997ء، ص 27-426

(۱۶) ایضاً ص 427

(۱۷) شہباز ملک ڈاکٹر، ''پنجابی کتابیات'' جلد اول، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 1991ء، ص 247

(۱۸) انعام الحق جاوید ڈاکٹر: ''پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان 1997ء، ص 433

(۱۹) ایضاً: ص 534 (۲۰) ایضاً: ص 433

(۲۱) شہباز ملک ڈاکٹر، ''پنجابی کتابیات'' جلد اول، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 1990ء، ص 72

(۲۲) ایضاً، ص 297 (۲۳) ایضاً: ص 27-26

(۲۴) انعام الحق جاوید ڈاکٹر، ''پنجابی ادب دا ارتقاء''، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، 1990ء، ص 537

(۲۵) شہباز ملک ڈاکٹر، ''پنجابی کتابیات'' جلد اول، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 1991ء، ص 133

(۲۶) ایضاً: ص 26 (۲۷) ایضاً (۲۸) ایضاً: ص 110-109